فصل ششم

پاکستان میں خواتین کے حوالے سے بحثیں اور مقالہ نگار کی جدوجہد

۱- مشاورت بابت ''سیاسی عمل میں خواتین کی شرکت''

۸مئی ۲۰۰۱ء کو اسلام آباد کے مرگلہ ہوٹل میں وزارت ترقی برائے خواتین کی طرف سے ''سیاسی عمل میں خواتین کی شرکت'' کے عنوان سے ایک مشاورت کا اہتمام کیا گیا۔

اس سلسلے میں جماعت اسلامی حلقہ خواتین کو مارچ کے آخری ہفتہ میں ایک خط وزارت کی طرف سے موصول ہوا جس میں پورے ملک سے۱۴ خواتین کو مدعو کیا گیا تھا جس میں صرف ۳ سیاسی افراد تھے اور باقی ۱۱ خواتین N.G.O سے متعلق تھیں۔ اس میں انھوں نے ۴ سوالوں کے جوابات مانگے تھے اور مئی کی اس مشاورت کا اجمالاً ذکر کیا گیا تھا۔ وہ ۴ سوال یہ تھے۔

۱۔ صوبائی اور قومی اسمبلی میں خواتین کی سیٹوں کی تعداد کیا ہونی چاہیے۔ دلیل کے ساتھ اس کا جواب دیجئے گا۔

۲۔ عورتوں کے لیے انتخاب کا طریقہ کار کیا ہو۔

۳۔ اس بات کو کیسے یقینی بنایا جائے کہ تعلیم یافتہ، ماہر او تجربہ کار خواتین ہی منتخب ہوں۔

۴۔ لوگوں کے لیے خصوصاً خواتین کے لیے انتخاب میں کھڑا ہونا مالی طور پر کس طرح ممکن بنایا جائے۔

اس خط کے ملتے ہی جماعت اسلامی حلقہ خواتین نے پورے ملک میں قائم کردہ اپنے نیٹ ورک سے ان سوالوں کے جوابات مانگے اور اور مردانہ نظم کے مشورے سے لاہور، کراچی اور اسلام آباد میں حلقہ خواتین کے ویمن کمیشن کی مشاورتیں منعقد کیں اور ان سوالوں کے جوابات کی روشنی میں ۲ دستاویزات تیار ہوئیں جو ساتھ ہی منسلک ہیں۔

اسی اثنا میں وزارت ترقی برائے خواتین کی طرف سے دوسرا خط موصول ہو جس میں وزارت کی طرف سے ۸ مئی کی تاریخ اس مشاورت کے لیے مقرر کی گئی تھی اور مدعو خواتین کی فہرست میں ٦ مزید سیاسی پارٹیوں کا اضافہ کیا گیا اور فہرست میں موجود مدعوئین کی فہرست میں دانستہ یا نادانستہ جماعت اسلامی حلقہ خواتین کا نمبر ۱۳ سے نیچے اتار کر ۱۹ نمبر پر لایا گیا۔ اس طرح اب مدعو خواتین میں سیاسی خواتین کم اور NGOs کی خواتین زیادہ تھیں اور جب ۸ مئی کو ہال کے اندر داخل ہوئے تو ہال N.G.Os کی خواتین سے بھرا ہوا تھا اور سیاسی طور پر نمائندہ خواتین کی تعداد صرف ٦ تھی جس کا بعد میں فیصلوں پر N.G.Os. کے موقف کے واضح غلبے سے اثر انداز ہونا نظر آیا کہ یہ حکومت کی طرف سے ایک طے شدہ پالیسی تھی۔

کارروائی بڑے خواشگوار انداز میں شروع ہوئی۔ تلاوت کلام پاک سے آغاز کیا گیا اور ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ نے سب شرکا کا خیر مقدم کیا اور ابتدائی کلمات میں کہا کہ پاکستان کی تاریخ میں عورتوں کی سیاسی عمل میں شرکت نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ آخری دفعہ جب عورتوں نے انتخابات میں حصہ لیا تو

☆ قومی اسمبلی میں ۲۱۷ میں سے ۷

☆ سینٹ میں ۸۷ میں سے صرف ۲

☆ صوبائی اسمبلیوں میں ۴۸۳ میں سے صرف ۶

عورتیں منتخب ہو کر آئیں جو کہ بہت ہی نامناسب بات تھی۔ موجودہ حکومت چونکہ عورت کو ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ لا رہی ہے اور ضلعی حکومتوں کے نظام میں پہلی مرتبہ ۳۳ فیصد نمائندگی کے ذریعے عورتوں کو منتخب کیا ہے اس لیے ہم نے اس مشاورت کا اہتمام کیا تاکہ آپ سے مشورے کے بعد حکومت کو ایک لائحہ عمل دیا جا سکے۔ جب ضلعی حکومتوں کا سارا نظام مکمل ہو جائیگا تو پورے ملک میں ہمارے پاس ''پچاس ہزار'' خواتین کی منتخب فوج ہوگی جس کو کوئی بھی جھٹلا نہیں سکے گا۔ نہ ان عورتوں کو اور اُن کی رائے کو رد کیا جا سکے گا۔ شرکاء میں سے چند نے کہا کہ یہ مولوی کا مقابلہ کریں گی اور یہ دیوار جو ان عورتوں نے گرادی ہے اس کو دوبارہ بننے نہیں دیں گی۔

ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ نے مزید کہا کہ ۴۸ فیصد عورتیں اور ۲۷ فیصد بچے ملک کی آبادی کا ۷۵ فیصد حصہ بنتے ہیں اور اسکی فلاح و بہبود کا کام اب عورتوں نے خود کرنا ہے۔ مرد انکا خیال نہیں رکھتے۔ سیاسی جماعتیں بھی عورتوں کا استحصال کرتی ہیں اور ان سے ووٹ تو خوب لیتی ہیں اور بوقت ضرورت ان کو سڑکوں پر لے آتی ہیں۔ یہی انکا رول ہے۔ مگر ان کو حقوق نہیں ملتے اس لیے عورتوں کو سیاسی پارٹیوں سے بالا ہو کر عورت ذات کے حصول کے لیے متحدہ ہو جانا چاہیئے۔

ہم اس ملک میں سیاسی ترقی میں خواتین کا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں اور جمہوری روایات اور قانون کی پاسداری چاہتے ہیں۔ ہمیں ایک بڑا چیلنج درپیش ہے کہ جو ۵۰ ہزار خواتین ہمارے پاس منتخب ہو کر آئیں گی ان کو ہم ایک لڑی میں پرو دیں اور ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں جن کی قوت فیصلہ کے آگے ساری مزاحمتی قوتیں دم توڑ جائیں۔

اجلاس میں چند خواتین ناظمین نے بھی شرکت کی جو مختلف یونین کونسلوں میں منتخب ہو کر آئیں تھیں۔ N.G.Os. نے انہیں بہت support کیا تھا اور اب انہیں تحصیل اور ضلع کونسلوں میں ناظم اور نائب ناظم کے لیے کھڑا ہونے پر آمادہ کر رہی تھیں۔ حکومتی حلقے بھی ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔

ڈاکٹر عطیہ کے ابتدائی خطاب اور محترمہ زبیدہ جلال کے خوش آمدید کے کلمات کے بعد گفتگو کا آغاز ہوا۔ دوران گفتگو ڈاکٹر عطیہ بہت خوش اسلوبی سے اور بڑی نرم گفتاری سے شرکاء سے گفتگو کرتی رہیں اور ان کی رائے کا احترام کرتی رہیں مگر بعد میں بوجوہ اور N.G.Os. کے بہت زیادہ اصرار پر انہوں نے صرف N.G.Os. کا موقف ہی پریس کے سامنے رکھا جس پر مَیں نے احتجاج بھی کیا۔ N.G.Os. کا مؤقف تھا کہ چونکہ ساری عورتیں ۳۳ فیصد پر متفق ہیں اس لیے جماعت اسلامی کے موقف کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔

ہم نے بڑے احترام سے ان سے بات کی کہ اگر مشاورت میں ہمیں مدعو کیا گیا ہے اور جمہوریت کے تقاضے نبھانے ہیں تو نام نہاد اکثریت کے مقابلے میں اقلیت کی بات کو بھی وزن دینا ہوگا۔ بار بار ہمیں اقلیت کے نام سے پکارا گیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یہ N.G.Os. قوم کی نمائندہ نہیں ہیں۔ یہ تو غیر ملکی امداد پر چلنے والی تنظیموں کی آلۂ کار ہیں۔ ان کو تو اس بات کے پیسے ملتے ہیں کہ کس طرح سے مسلمانوں کے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کر دیا جائے جس سے مغرب سخت خوفزدہ ہے۔ خود تو ان کا خاندانی نظام ختم ہوگیا ہے اس کو بحال کرنے کی فکر میں ہیں اور ہمارے اس واحد ہتھیار سے انہیں

سخت اندیشے لاحق ہیں۔ جس کے لیے انہوں نے ملک کے طول وعرض میں ان .N.G.Os کو پھیلا دیا ہے جس کا ایجنڈا حیرت انگیز طور پہ بہت یکسانیت رکھتا ہے۔

ایک نمائندہ جو کہتی تھی سب اس کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہے تھے۔ سینٹ کے لیے اور ہر سطح کے انتخابات کے لیے یہاں تک کہ فاٹا کے لیے ۳۳ فیصد نشستیں مخصوص کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ جماعت اسلامی نے کہا کہ فاٹا میں پہلے F.C.R کے کالے قوانین تو ختم کریں۔ پہلے مردوں کو تو حق دیں۔ آگے پھر ۳۳ فیصد عورتوں کے حصے کا مطالبہ کریں۔

سیاسی جماعتوں نے جماعتی بنیادوں پر انتخابات کے مطالبے پر زور دیا جس کو حیرت انگیز طور پر بغیر چوں وچرا قبول کرلیا گیا کیونکہ N.G.Os اب خود ایک جماعت بن چکی ہیں۔

جماعت اسلامی نے متناسب نمائندگی کے طریقہ انتخاب پر زور دیا جبکہ این جی اوز کے گروپ نے پورے ملک کے حلقوں کو ۲ پر تقسیم کر کے نصف حلقوں کو عورتوں کے لیے دوہرا حلقہ بنانے میں تجویز پیش کی کہ عورتیں جنرل سیٹ پر بھی کھڑی ہوں اور ان کے لیے نصف حلقے مخصوص بھی کیے جائیں۔

عجیب وغریب فارمولوں کے تحت جو کہ عام آدمی کی سمجھ سے باہر ہیں اور اجلاس کی اکثریت ان اعداد کے الٹ پھیر کے چکروں کو نہ سمجھ پائیں۔ ۱۰۳ نشستیں عورتوں کے لیے زیادہ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

ہم نے جب این جی اوز کی نمائندگان سے پوچھا کہ آپ کو عورتوں کی نمائندگی سے غرض ہے یا کہ کچھ اور مقاصد ہیں۔ ان کا اصل مدعا یہ تھا کہ وہ عورتوں کو میدان میں باہر لانا چاہتے ہیں کہ وہ در در کی ٹھوکریں بھی کھائیں اور مخلوط معاشرے کے نقصانات سے بھی متاثر ہوں چاہیں وہ منتخب ہوں یا نہ ہم ان کی سیاسی عمل میں بھر پور شرکت چاہتے ہیں۔

کشور ناہید نے جماعت اسلامی کی نمائندہ کو مخاطب کر کے کچھ اشعار پڑھے جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہم گنہگار عورتیں ہیں۔ ہم جبہ ودستار سے نہیں ڈرتے اور جو دیوار ہم نے گرادی ہے اس کو دوبارہ اٹھانے نہیں دیں گے۔ ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ نے جماعت اسلامی کی اس تجویز کا خیر مقدم کیا جس میں ہم نے کہا تھا کہ عورتوں کی علیحدہ وویمن کونسل بنائی جائے جو عورتوں کے امور پر سفارشات مرتب کر کے ایوان کے سامنے پیش کرے۔ جس پر شرکا نے اس کی مخالفت کی یہ عورتوں کو مردوں سے جدا کرنے کا رویہ ہے۔ اور ہم اس امتیازی سلوک کے مخالف ہیں۔ اس کو منتخب پارلیمنٹ پر چھوڑ اجائے کہ وہ کیا تجویز قبول کرتی ہے اور کیا نہیں۔ جس پر ہم نے جواباً کہا کہ یہ تو سارا کام ہی منتخب پارلیمنٹ کا ہے جس کو ہم کس مینڈیٹ کی بنا پر کر رہے ہیں۔

اجلاس کے آغاز پر ہم نے یہ سوال بھی کیا کہ چونکہ موجودہ حکومت منتخب نہیں ہے لہٰذا اس کو حق نہیں پہنچتا کہ یہ اجلاس طلب کرے اور آئینی ترامیم کے لیے منصوبہ بندی کرے۔ اس موقف کی تائید اجلاس پر ردعمل کی صورت میں مختلف لوگوں کے بیانات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ۱۰ مئی کے جنگ میں عاصمہ جہانگیر نے کہا کہ آئین تہس نہس کرانا چاہتے۔ سعد رفیق نے کہا کہ اجلاس کا مقصد غیر سیاسی لاٹ کو پارلیمنٹ میں لاکر مخصوص مقاصد حاصل کرنا ہے۔

اس سوال کے جواب پر این جی اوز گروپ اور مسلم لیگ کی نمائندہ نے کہا کہ سیاسی طور پر منتخب لوگوں کی پارلیمنٹ نے خواہ وہ کوئی بھی جماعت تھی عورتوں کے لیے کچھ کام نہ کیا۔ موجودہ حکومت عورتوں میں میدان میں لانے کے لیے بہت

مخلص ہے ۔لہٰذا اس کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں اور اس طرح کے سوالات سے اس عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔

اجلاس سے ایک دن قبل بے نظیر بھٹو کی سیکرٹری ناہید خان کا خط بھی تمام شرکاء کو موصول ہوا تھا جس میں انہوں نے موجودہ حکومت اور اس کے دور میں خواتین کے ساتھ ظالمانہ سلوک پر احتجاج کیا گیا تھا۔اور کہا تھا کہ موجودہ حکومت کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ خواتین کے حقوق کی بات کرے کیونکہ یکم مئی کو پی پی کی خاتون ورکرز کے ساتھ پولیس نے بڑا وحشیانہ سلوک کیا ہے۔

اس اجلاس کے بارے میں مجموعی تاثر یہ ہے کہ حکومت این جی اوز کو سیاسی پارٹیوں پر فوقیت دے رہی ہے اور ان کے تیار شدہ پلان آف ایکشن پر عمل درآمد کے لیے اپنی تمام کوششیں بروئے کار لا رہی ہے ۔جماعت اسلامی نے تنہا ہونے کے باوجود اس اجلاس میں شرکاء اور حکومت دونوں پر واضح کیا کہ جمہوریت میں اکثریت اور اقلیتوں دونوں آراء کا احترام کیا جاتا ہے۔اور اسے آپ کے press کے سامنے بیان کرنا ہے مگر ایک طے شدہ پالیسی کے تحت اخبار میں صرف نام نہاد اکثریتی گروپ (کیونکہ وہاں تو مدعو ہی صرف ایک مخصوص این جی اوز گروپ تھا) کا موقف رکھا گیا اور پاکستانی خواتین کے سب سے بڑے اور منظّم گروپ کا خاندانی استحکام کا منصوبہ رد کیا گیا۔اجلاس میں مخصوص این جی اوز کے گروپ کے لیے تالیاں بھی بجائی گئیں کہ وہ عورتوں کو گلیوں کوچوں میں لانے کے لیے بڑی سرگرم عمل رہی ہیں۔اور ان کی کوششوں کی وجہ سے ضلعی حکومتوں اور اب آگے سیاسی عمل میں عورتوں کی ۳۳ فیصد شرکت ممکن ہوسکی ہے۔حالانکہ یہ این جی اوز اس بات کے لیے کہ وہ اقوام متحدہ کے بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن پر حکومتوں سے عمل درآمد کروائیں۔بڑی بڑی تنخواہیں لیتی ہیں اور اپنی یہ کارکردگی دکھا کر بہت مراعات حاصل کرتی ہیں۔اس کی ایک مثال بلوچستان پولیٹیکل وومن فورم ہے۔راقمہ جب کوئٹہ میں رہائش پذیر تھی تو اس وقت بلوچستان سیاسی پارٹیوں کی کچھ خواتین نے اس فورم کی بنیاد رکھی اور میں اس کی پہلی سیکرٹری تھی۔اب اس فورم پر کلی طور پر این جی اوز کا قبضہ ہے اور وہاں کی سیاسی ورکرز اور سیاسی طور پر مشہور خواتین کی بجائے نام نہاد کوآرڈی نیٹرز اس کی نمائندگی کرتی ہیں جن کو سیاست کی الف، ب بھی نہیں آتی۔

اس اجلاس میں یہ نکتہ اٹھایا گیا کہ دنیا میں کہیں پر یہ مثال نہیں ہے کہ کسی قوم نے اپنی بیٹیوں پر اتنا غیر ضروری بوجھ لادا ہوا اور ۳۳ فیصد کی نمائندگی مخلوط معاشروں میں بھی نہیں ہے تو بڑی ڈھٹائی سے اور شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے والوں کے نمائندوں کا یہ تاثر تھا کہ کہیں پر بھی نہ ہو ہم نے تو اسی انداز میں عورتوں کو باہر لانا ہے۔ہمیں دنیا سے کوئی مثال نہیں لینی بلکہ اپنے ہاتھوں خود ہی اپنا خاندانی استحکام برباد کرنا ہے۔ایک N.G.O نے جو کہ جیلوں میں کام کے لیے بہت مشہور ہے اپنا یہ موقف بھی رکھا کہ ٹوٹے ہوئے خاندانوں کے بچے ہی جیلوں میں آتے ہیں اور ہمیں اپنی نئی نسل کی تربیت کے لیے ماؤں کو دوہری ذمہ داریوں سے آزاد رکھنا ہوگا ورنہ ایک بکھری ہوئی نسل کے لیے تیار رہنا ہوگا۔مگر لادین تہذیب کو غالب کرنے کا ایجنڈا رکھنے والے لوگ اتنی نگاہ کب رکھتے ہیں۔

۲-قومی اسمبلی میں حقوق خواتین پر بحث

۱۵دسمبر ۲۰۰۵ء جمعرات کے دن ہم حسب معمول قومی اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونے کے لیے ایوان میں

پہنچے۔ آج چونکہ ہمارا توجہ مبذول کرانے کا سوئی گیس بل کے اوپر فحش اشتہارات سے متعلق نوٹس ایجنڈے میں سرفہرست تھا تو ہم ذرا جلدی پہنچے۔ ایوان اور اسمبلی میں ہر شخص اس پر سراپا احتجاج تھا کہ میڈیا کی مادر پدر آزادروش نے اب سرکار پر اتنی بے حسی طاری کردی ہے۔ کہ نوبت بلوں پر قابل اعتراض تصاویر چھاپنے کی دیدہ دلیری تک آ پہنچی ہے، کہ اس ملک کے نظریات، روایات اور اقدار کا کوئی والی وارث تو رہا نہیں تو کھل کر کھیلنے کا جس کو جتنا موقع ملتا ہے اس کو وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

لیکن یہ سب کچھ ایک سوچے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے اوراجلاس کے شروع ہونے کے بعد تھوڑی دیر گزری تو پی پی کی محترمہ شکیلہ خانم رشید نے وقفہ، سوالات میں ضمنی سوال کیا کہ پچھلے دو سال میں خواتین کے لیے پاکستان میں ۴ بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئیں اور پارلیمنٹ کی اکثریتی خواتین کے طبقے کو بالعموم اور سرکار کی مخالفت کرنے والی خواتین کو بالخصوص نظر انداز کیا گیا اور آج تک ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ان کانفرنسوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملے کہ یہ کیوں ہوئیں؟ اور کب ہوئیں؟ اور ان کی تفصیلات کیا ہیں؟

محترمہ جمیلہ احمد نے سوال کیا کہ ان بڑی بڑی کانفرنسوں کا جو فائیو اسٹار ہوٹلز کے ائرکنڈیشنڈ ہالوں میں منعقد ہوئیں۔ پاکستان کی عام عورت کو کیا فائدہ پہنچا۔ جس کا محترمہ نیلوفر بختیار نے جواب دیا کی ہم نے عورتوں کے لیے بہت پراجیکٹس شروع کیے ہیں، جن میں جفاکش عورت کے نام سے بھی ایک اسکیم ہے اور ہم نے ان کانفرنسوں میں مختلف stake holders کو بلایا، جو عورت کے موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ صدر پرویز مشرف اور وزیراعظم نے ان سے خطاب کیے اور ایک کانفرنس بیجنگ کانفرنس کی دسویں سالگرہ کے موقع پر منعقد ہوئی جس کے لیے پاکستان کا انتخاب کیا گیا۔ ہمارے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے اور ہمیں بڑا فخر ہے کہ پاکستان میں یہ منعقد ہوئی۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اس پر محترمہ شگفتہ جمانی جن کا تعلق پیپلز پارٹی ہے، نے کہا کہ ان کانفرنسوں کے اخراجات کی تفصیلات سے متعلق ایوان کو آگاہ کیا جائے۔ جس پر جواب ملا کہ یہ اقوام متحدہ کی ایجنسیز اور حکومت پاکستان کے اشتراک سے منعقد ہوئیں اور اخراجات کی تفصیل وزارت میں آ کر معلوم کرلیں۔

اس کے بعد مجھے سوال کرنے کا موقع ملا کہ اقوام متحدہ کے سارے ادارے اور ان کے بین الاقوامی معاہدے عورت کے جن ایشوز پر کام کر رہے ہیں ان میں کچھ اقدامات تو قابل ستائش ہیں مگر کچھ نظریات اور عملی اقدامات پر خود اہل مغرب سب سے زیادہ تنقید کر رہے ہیں کہ یہ شادی، خاندان، ماں اور بچے کے تحفظ کے حوالے سے سخت قابل اعتراض ہیں۔ میں نے دستور پاکستان کے آرٹیکل ۳۵ کا حوالہ دیا کہ ریاست، شادی، خاندان، ماں اور بچے کا تحفظ کرے گی۔ مگر حکومت پاکستان کی اکثر وزارتوں اور خصوصا وزات ترقی خواتین میں یہ عالمی ایجنڈا من وعن نافذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جو ہمارے دستور، ہماری اقدار اور ہماری ثقافت کا تباہی کی راہ پر گامزن کر رہا ہے۔

اس پر محترمہ وزیر صاحبہ نے کہا کہ ہم بہت مشاورت کرتے ہیں اور سب سے مشورے اور صوبوں کی منظوری کے بعد اس کو نافذ کرتے ہیں۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ساری مشاورتوں میں اگر این جی اوز کی مغرب زدہ ۲۰۰ خواتین اور اب تو اکثریت مردوں کی بیٹھی ہوئی ہے تو ایک یا دو متحدہ مجلس عمل کے لوگوں کو بھی بلا لیا جاتا ہے جو کہ صرف دس پندرہ گروپس میں سے ایک یا دو میں اپنا اختلافی نقطہ نظر بیان کر پاتے ہیں۔ اس اختلافی نوٹ کو بھی پریس کے سامنے یا اس دستاویز پر سامنے لانے کی ہمت نہیں کی جاتی۔ اپنے ہی ایک قسم کے نظریات کے لوگوں کے بڑے بڑے اخراجات کی حامل نام نہاد مشاورتوں میں جمع کر کے اقوام متحدہ کی بنی بنائی تیار دستاویز میں مقامی دستاویز میں بدل دیا جاتا ہے۔ اور اس کو ان کانفرنسوں کے out come document یا اعلامیے کی صورت میں نشر کر دیا جاتا ہے۔

میں نے ان سے یہ مطالبہ فلور آف دی ہاؤس پر کیا کہ آپ ان سب دستاویزات اور اعلامیوں کو پارلیمنٹ سے کیوں منظور نہیں کراتیں۔ اس پر کوئی شافی جواب نہ ملا تو مجلس عمل کے علما نے اس پر پرزور احتجاج اور واک آوٹ کا اعلان کیا۔

اسپیکر نے محترمہ رضیہ عزیز کو فلور دیا، تو انھوں نے محترمہ نیلوفر بختیار سے کہا کہ میں نے آپ کی کچھ مشاورتوں میں شرکت کی اور ہر جگہ اختلافی نوٹ دیا۔ مگر وہ کہیں پر بھی سامنے نہیں آیا۔ اسپیکر نے انھیں کہا کہ آپ میرے چیمبر میں تشریف لائیں تا کہ معاملہ حل ہو جائے۔ تمام اپوزیشن نے مل کر اس بات پر واک آوٹ کیا کہ دستاویزات کو اسمبلی میں پیش کیے بغیر صرف کابینہ سے منظور کروایا جاتا ہے اور اسمبلی کی نمائندہ خواتین کو ان کانفرنسوں میں کیوں نظر انداز کیا گیا؟ اگرچہ پیپلز پارٹی ہمارے نظریات سے متفق نہیں ہے مگر انھوں نے اصولی موقف اپناتے ہوئے ہمارے ساتھ اس نکتے پر اتفاق کیا کہ پارلیمنٹ کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

اجلاس ختم ہونے کے بعد ہم اسپیکر کے چیمبر میں گئے تو محترم اسپیکر صاحب تو کسی کام سے جا چکے تھے مگر نیلوفر بختیار نے ہم سے بہت شکوہ کیا کہ آپ اقلیت میں ہیں اور ہم اکثریت میں ہیں۔ اس لیے آپ کی بات تو ہم ہرجگہ نہیں مان سکتے، آپ کو جن چیزوں سے اختلاف ہے وہ ہمیں لکھ کر دے دیں تا کہ ہم ان پر غور کر لیں۔ ہم نے آپ ہی کے مطالبے پر ۳۵ فی صد عورت کی ملازمت کے کوٹے کم کر کے ۱۰ فی صد کیا ہے۔ اس پر محترمہ عائشہ منور نے کہا کہ دراصل اختلاف تو بنیادی طور نظریے کا ہے۔ آپ اور ہم عورت کے لیے بالکل الگ الگ نقطۂ نظر سے سوچ رہے ہیں۔ اس پر محترمہ نے کہا کہ آپ نے اصل بات اب کی ہے، ہمارا نظریاتی اختلاف ہے لیکن ہماری حکومت ہے۔ ہم اپنی سوچ کے مطابق ان دستاویزات کو نافذ کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ بہت احترام کے ساتھ یہ عرض کرنا ہے کہ یہ آپ کی معلومات درست نہیں کہ ہمارے ساتھ لوگ نہیں ہیں۔ اگرچہ عوام پر بے حسی طاری ہے مگر ان کو جب بھی موقع ملے گا وہ اپنی اقدار و روایات کا ساتھ دیں گے۔

ویسے تو ہم لنڈا بازار اور مغرب کی اترن کی عادی قوم ہیں۔ جو چیز وہ پھینک دیتے ہیں ہم اسے ہاتھوں ہاتھ خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ عورت کے بارے میں بھی جو نظریہ مغرب نے اپنایا، وہ اپنے خاندانی نظام کی بربادی کی صورت میں اس کا شاخسانہ بھگت رہے ہیں۔ معیشت اور سیاست کے نام پر عورت کو طاقت ور بنانے کے نام نہاد منصوبوں سے عورت غیر محفوظ اور کمزور ہوئی ہے۔ مغرب اب اپنے اس نظریے سے واپس پلٹ کر family first bring heart

home اور Come back home کے نعرے دے کر اسے واپس لانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔اس کے ساتھ ہی انھوں نے کمال مہربانی سے اپنی فائل میں لگی تمام کانفرنسوں کے out come documents ہمیں دے دیے کہ آپ کو ان پر جو اعتراض ہو اس پر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔ہم نے آپ ہی کے کہنے پر GRAP سے ۳۵ فی صد عورت کی ملازمت کا کوٹہ کم کر کے ۱۰ فی صد کر لیا ہے۔آپ کو کوئی بھی اعتراضات ہوں، تو ہمیں لکھ کر دے دیں۔

محترمہ عائشہ منور نگران سیاسی سیل جماعت اسلامی حلقہ خواتین نے تمام ارکان پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا، کہ ان دستاویزات کا مطالعہ کر لیں اور دور جدید میں مسلمان عورت کو ہدف بنا کر جو ایجنڈا نافذ کیا جا رہا ہے اس کے لیے تقسیم کار طے کر لیں۔ یہاں سے آپ اسے پرنٹ کروا سکتے ہیں باقی آپ کی آگاہی کے لیے ہے ان دستاویزات میں جو ایک بات بالکل واضح ہے وہ وہی پروگرام ہے جو استعماری طاقتوں نے مسلمان عورت کو با اختیار بنانے کے نام پر بنایا ہے۔اس میں سرفہرست یہی نکتہ ہے کہ

(۱) معیشت اور سیاست کے نام پر عورت کو با اختیار بنایا جائے۔

(۲) GENDAR mainstresming/women Empowerment Gender equality وہ بنیادی terms ہیں جو کہ آج کی دنیا میں رائج کی جا رہی ہیں۔

(۳) تمام قومی پالیسیوں میں مساوات مرد وزن کا خصوصی خیال رکھا جائے۔

(۴) صحت میں تمام تر توجہ صرف تولیدی صحت اور ایڈز پر مرکوز رکھی گئی ہے۔جیسے دنیا میں تمام بیماریاں ختم ہو چکی ہیں۔

(۵) وہ تمام قوانین جو کہ مغرب کو قابل قبول نہیں، اس کو امتیازی قوانین کا نام دے کر ختم کرنا اور یہ دلیل دینا کہ چونکہ ہم خلا میں نہیں رہتے ہے اور بین الاقوامی معاہدوں پر ہم دستخط کر چکے ہیں اس لیے ان قوانین کو ختم کرنے کے پابند ہیں (اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہم سب سے پہلے اپنے رب سے کیے ہوئے وعدے پر کاربند رہیں گے)۔

(۶) اکثریتی فیصلوں کا احترام کرنے کا شور مچانے اور جمہوری اقدار کی ترویج کا غلغلہ بلند کرنے کے باوجود جہاں ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں، وہ انھی کی حمایت کرتے ہیں اور اقلیتی گروپس کو اکثریتی عوام پر مسلط کر کے اپنے ایجنڈے کو نافذ کرتے ہیں۔

مسلمان خواتین کی واضح اکثریت اب ببانگ وہل یہ اعلان کرتی ہے کہ جن تہذیبوں نے بھی مرد اور عورت کے درمیان فطری تقسیم کار کے خلاف اقدامات اٹھائے ہیں وہ روئے زمین سے نیست و نابود ہو گئی ہیں۔ رومن اور یونانی تہذیبیں اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ اسلامی تہذیب وتمدن میں عورت اور مرد ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، ایک دوسرے کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں معاونت اور رفاقت کی ترغیب دیتے ہیں۔ یہ دو مد مقابل قوتیں نہیں بلکہ زندگی کی گاڑی کے دو یکساں پہیے ہیں جو کہ حقوق، اجر وثواب اور ثواب اور عذاب و پاداش میں بالکل مساوی اور یکساں، اور فرائض میں جداگانہ کردار ادا کرتے ہیں۔ اس میں عورت کا کردار بحیثیت ماں اور بیوی کے اتنا ہی اہم ہے جتنا ایک ملک کے لیے حکمران، فوج اور قانون کا ہوتا ہے۔

عورت کی ممتا اور بیوی کے رول کو غیر اہم اور فرسودہ اور اسے عورت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھنے کا تصور پوری تہذیب کو ملیا میٹ کرنے کے مترادف ہے۔فطرت نے عورت کے حصے میں انسان کی تخلیق وتعمیر کی، جو گراں بار ذمہ داری ڈالی ہے اس میں اس کی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اسے وہ محبت اور حفاظت سے قیمتی شے اور قیمتی فریضے کی ادائیگی میں مصروف ہستی کی طرح رکھی جائے۔اور اسے دنیا کے جھمیلوں اور جھنجھٹوں سے بے نیاز خلوت عطا کی جائے،تبھی روئے زمین پر وہ مہذب اور متمدن نسل پروان چڑھ سکے گی۔جس کو گھر کی خوبصورت دنیا میں محبت ملی ہوگی وہ دنیا کو وہی محبت اور شفقت لوٹا سکے گی۔ورنہ آج کی دنیا اسی لیے فساد سے بھر گئی ہے کہ عورت نے اپنا بنیادی فریضہ غیر اہم اور فرسودہ سمجھ کر ترک کر دیا ہے۔یا اس پر اس نظریے کو مسلط کر دیا گیا ہے اور اس سے فرار کی راہ اختیار کرنے کو ہی عورت اپنی ترقی سمجھ بیٹھی ہے اور گھر جو کہ دنیا کی بنیادی اکائی ہے۔ وہ ممتا اور گھر ہستن سے خالی ہو کر بازار کے سپرد ہو گیا ہے۔اور خود بھی ایک سرائے اور ہوٹل میں تبدیل ہو کر محبت اور شفقت سے خالی ہو گیا ہے۔اس لیے ہمیں واپس شادی، خاندان اور ممتا کے اداروں کی بحالی کے لیے سنجیدہ ہو جانا چاہیے۔

اس ضمن میں جو دوسرا بنیادی حق عورت کے تحفظ اور وقار کے لیے اللہ تعالی نے عائد کیا ہے کہ وہ مخلوط معاشرے کی ترویج کی بجائے مرد وعورت کے اپنی اپنی فطرت کے مطابق دائرہ کار میں کام کرنے کو ترجیح دیں۔اس کے بعد جب بھی ضروری ہو وہ ایک باوقار لباس میں(جسے اسلامی معاشرے میں حجاب کے نام سے جانا جاتا ہے) گھر سے باہر کے امور سرانجام دے سکتی ہے۔اور اسے قرآن کریم میں عورتوں کے لیے فرض قرار دیا گیا ہے،تاکہ وہ ستائی نہ جاسکیں اور محفوظ اور باوقار رہیں۔

پوری اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دور نبوی سے لے کر آج کی جدید دنیا تک حجاب مسلمان عورت کا بنیادی فریضہ ہے۔جس کو وہ کسی شوق ،فیشن،جبر،پابندی،مردوں کے حکم،معاشرے کے رواج کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور قرآن کے عاید کیے ہوئے فرض اور حضورؐ کی طرف سے نافذ کیے گئے قانون کی وجہ سے کرتی ہے۔اور اسے اپنے لیے وجہ افتخار سمجھتی ہے۔لیکن استحصال قوتیں مسلمان عورت کے اس بنیادی حق کو مذہبی شعار اور سیکولرازم کے خلاف مشتعل کرنے والا نشان بنا کر دہشت گردی کی علامت کے طور پر مشہور کر رہی ہیں۔خصوصا نقاب والی عورت کو دہشت گرد اور فرسودہ اقدار والی عورت کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے،جس کو مسلم معاشرے کبھی بھی قبول نہ کریں گے۔خواہ اسلام دشمن طاقتوں کے لیے کتنی بھی خوف کی علامت کیوں نہ ہوں۔ہمیں بھی aging problem اور بوڑھے پینشروں کے بوجھ سے خاندانی نظام کی مضبوطی اور افزائش نسل کی بڑھوتری کے اقوام مغرب کے فلسفے سے سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہیے۔اور فطرت سے بغاوت کی روش ترک کر کے صحیح اسلامی فلاحی معاشرے کی داغ بیل ڈالنی چاہیے۔جس میں عورت کا ایک ایسا غالب کردار ہے جس کی عملی مثالیں خانوادہ نبوت کی پردہ نشینوں نے اس طور پیش کی ہیں کہ زمانہ لاکھ اسے نظر انداز کرے وہ چھپائے نہیں چھپتیں۔چاہے وہ حضرت خدیجہؓ ہوں جنھوں نے انسانوں میں پہلے انسان کے طور نبوت کی گواہی دی۔یا حضرت عائشہؓ جن کے فیصلوں پر آج کے قانون دان حضرات فیصلے کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے ایک تہائی دین کے علم سے مسلمان بہرہ ور ہوئے ۔یا حضرت فاطمہؓ جو کہ خاندان اور ممتا کے اداروں کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں یا حضرت زینبؓ جن کے خطبوں نے حیدر کرارؓ کی

یاد امت کے دلوں میں تازہ کی ،اور جن کی شجاعت اور روایت نے واقعہ کربلا کو رہتی دنیا تک حق وصداقت کا علم بلند کرنے اور یزیدی قوتوں کے سامنے نہ جھکنے کا ولولہ انگیز سبق دیا۔

میں یہاں پر یہ بات بھی واضح کرنا چاہتی ہوں کہ اسلام مکالمے ،رواداری ،امن وسلامتی اور امحبت واخوت کا دین ہے۔مسلمان عورت انھی نظریات کے ساتھ پروان چڑھتی ہے۔ وہ آج بھی دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے اور جیو اور جینے دو کے اصولوں پر اس زمین کی محبت وسلامتی کی آغوش میں دینے کے لیے سرگرداں ہے ۔مگر آج اس کے لیے خدائی احکامات کی وجہ سے حجاب کی پابندی اس کے خاندان اور ممتا کے اداروں کی بنیادی کردار کی وجہ سے ان کو زیادہ وقت دینے اور مخلوط معاشرے کی تباہ کاریوں سے بچ کر محفوظ اور محبت بھری پناہ گاہوں میں رہنے کو شک وشبے کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔اس کی اہمیت کو کم سمجھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔اسی عورت کی اہمیت ہے جو مرد کی طرح سوچے ،مرد کی طرح جیے،اور حتی کہ مرد کی طرح لباس پہنے۔

شرق وغرب میں بیدار ہونے والی نئی مسلمان عورت تمام تر دہشت گردی (چاہے وہ انفرادی ہو یا ریاستی دہشت گردی) سے سرعام بے زاری اور نفرت کا اعلان کرتے ہوئے اس بات کا عزم کررہی ہے۔کہ اپنی روایات اور اپنی اقدار پر کسی کا زبردستی تسلط تسلیم نہ کرے گی۔چاہے اس کے لیے اسے کتنی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔اور ہم اقوام عالم اور ان کے اداروں سے یہ توقع رکھتی ہیں۔کہ زبردستی اپنی تہذیب اور اقدار کو تھوپنے کی بجائے وہ مکالمے، بحث ومباحثے اور احترام ورواداری کے اعلی انسانی اصولوں کو اپنائیں تاکہ ہم مہذب معاشرے تشکیل دے کر مہذب اقوام سے اس روئے زمین کو امن وآشتی سے بھر دیں۔

۳-خاندان کے استحکام اورتحفظ کے لیےقومی اسمبلی میں راقمہ کا پیش کردہ بل

ہرگاہ کہ خاندان کا ادارہ معاشرے اور ترقی کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے اور پاکستانی معاشرے میں خاندان افراد کے لیے مضبوط معاشی اور سماجی سہارے کی بنیاد رکھتا ہے۔تہذیب جدید سے اس ادارے کو جتنے خطرات لاحق اور جتنے چیلنجز درپیش ہیں۔ان مسائل سے عہدہ برآمد ہونے کے لیے اور خاندان کے ادارے کو تحفظ دینے کے لیے یہ بل پیش کیا جا رہا ہے۔

1۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ

(1) یہ بل خاندان کے ادارے کو استحکام اور تحفظ دینے کا بل کہلائے گا۔

(2) یہ پورے پاکستان میں فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

2۔ تعریفات

(الف) خاندان سے مراد شوہر، بیوی، بچے، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، تایا، ماموں، خالہ، پھوپھی اور انکی اولاد ہوگی۔

(ب) کفالت سے مراد خاندان کی معاشی ضروریات روٹی، کپڑا، مکان کی فراہمی ہوگی۔

(ج) شادی سے مراد وہ معاہدہ نکاح ہے جو ایک مرد اور ایک عورت کا کسی بھی مذہب اور معاشرے میں معروف طریقہ

کے مطابق ہوگا۔

(د) بچے سے مراد اولاد ہے چاہے وہ کسی بھی عمر اور ازدواجی لحاظ سے کسی بھی حیثیت کے حامل ہوں

(ہ) تحفظ سے مراد معاشی، معاشرتی اور روحانی تحفظ مراد ہوگا

(و) مصالحتی کونسل سے مراد ہے ایسی کونسل جو کہ ہر یونین کونسل میں عائلی اور خاندانی تنازعات کو ختم کرنے کے لیے بنائی جائے گی جو کہ کم سے کم تین افراد پر مشتمل ہوگی

(ز) وزارت ترقی خواتین کے نام میں تبدیلی کرکے وزارت ترقی خواتین و خاندان Minitry of womn family and community development رکھا جائے گا

3۔ خاندان کے ادارے میں شوہر کی بیوی اور باپ کی ماں پر انتظامی فوقیت کو رواج دیا جائے تاکہ یہ ادارہ مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر قائم ہو سکے۔

4۔ خاندان میں موجود مرد اور عورت کے باہمی رشتوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل قوتیں سمجھنے کے بجائے محبت، وفا، خلوص اور اعتماد کے رویوں سے معاون اور ہمدرد بنایا جائے گا۔

5۔ خاندانی رویوں میں مضبوطی اور بہتری لانے کے لیے ذرائع ابلاغ کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے گا

6۔ خاندان کے مردوں کو کفالت کا اہم فریضہ ادا کرنے کا پابند بنایا جائے گا۔

7۔ معاشرے میں اس شعار کو رواج دیا جائے گا بڑا اور مستحکم خاندان عورت کا سائبان

8۔ خاندان کے ادارے کی ترقی کے لیے شادی اور نکاح کو آسان بنایا جائے گا۔ اجتماعی شادیوں کو رواج دے کر فضول رسوم ورواج اور روایات کا قلع قمع کیا جائے گا۔

9۔ شادی کے موقع پر جہیز اور دولت کی نمود و نمائش کو قابل گرفت جرم قرار دیا جائے گا۔

اغراض و مقاصد

چونکہ آئین کی دفعہ 35 کے تحت مملکت شادی، خاندان، ماں اور بچے کے تحفظ کے لیے اقدامات کرنے کی پابند ہے۔ اور عصری تہذیبی یلغار سے خاندان کے ادارے کو خطرات لاحق ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس ادارے کو تحفظ دینے کے اقدامات پر غور کیا جائے اور اس لیے یہ بل پیش کیا گیا ہے۔

A BILL To provide stability and protection to the family.

WHEREAS it is expedient to provide stability and protection to the family.

It is, hereby enacted as follows;-

1. Short t

1- This Act may be called the Family (Stability and Protection) Act, 2007

2- It shall extend to the whole of Pakistan.

3- It shall come into force at once.

2. Definitions:- In this Act, unless there is anything repugnant in the subject of context,_

a) "Child" means progeny of any age and having any marital status;

b) "Family" means husband, wife, children, grandfather, grandmother, maternal grandfather, maternal grandmother, uncle, grand uncle, maternal uncle, maternal aunt, fraternal aunt and their children;

c) "Marriage" means wedding agreement between man and women in any religion and community;

d) "Mediatory Council" means such Council which shall be constituted in each Union Council for the solution of family disputes and shall be comprised not more than three members;

e) "Protection" means economic, social and spiritual protectionitle and commencement:;

f) "Security" means the provision of economic needs i.e. bread, clothes, house;in accordance with known procedure;

3. The executive enforcement of the husband and father over wife and mother shall be introduced respectively in the family institution in order to establish this institution on stable and durable foundations.

4. The traditions of affection, fidelity, sincerity and confidence shall be promoted between male and female enjoying family institution.

5. Media agencies shall be completely utilized for the stability and betterment in family behaviour.

6. The males of the family shall be bounded to perform the important obligation of security and maintanence.

7. This custom shall be introduced in the society that "big and stable family the shelter of women".

8. The marriage and wedding shall be made easy for the development of family and traditions shall be discontinued by introducing mass weddings.
9. The exhibition of dowry and wealth on the occasion of marriage shall be declared a cognizable offence.

STATEMENT OF OBJECTS AND REASONS

Whereas the state is bound to protect the marriage, the family, the mother and the child as required by the article 35 of the Constitution. The contemporary civilization on slaught is threatening the institution of family and therefore, it is necessary to take into consideration the protective measures for this institution. This Bill seeks to achieve the above oforesaid objectives.

Sd/-

Mrs. Samia Raheel Qazi
Dr. Farida Ahmed Siddiqui
Maulana Ahmed Chafoor
Mrs. Inayat Begum
Mrs. Shahida Akhtar Ali
Mrs. Razia Aziz
Mrs. Aisha Munawar
Maulana Amanullah
Mrs. Bilqees Saif
Mrs. Jamila Ahmad
Mr. Sabir Hussain Awan
Maulana Abdul Akber Chitrali

Members, National Assembly